

بر صغیر کی نادر فارسی تفسیر تجلیل التزیل (جزء سورۃ الفاتحہ) کا تحقیقی مطالعہ

***A Rare Persian Interpretation Tabjil al tanzil of Subcontinent:
research study on Manuscript of Surah Al-fatiha***

Dr. Sajid Asdullah

*Associate Professor, Department of Islamic Studies,
Govt. Postgraduate College, Samanabad, Faisalabad, Pakistan.*

Abstract

The intellectual heritage in British-India includes literature of Christian missionaries which focusses missionary perspective and the literature of Muslim missionary in response. In this Case, literature based on polemic method from both sides has become quite important. Specialists of Muslim Christian relations and religious students should be aware of debates of this ere. The criticism on Quran seems quite abundance on social media from opponents and enemies as well as their efforts are quite evident on minds of habitual valiance to precariousness and skepticism. That's why, the preacher and student of Islamic religion should bring in light the effort being made by Muslim scholars in response to their claims. One of selected flowers in the caravan of Muslim scholars is Abu Mansoor Dehlvi (1902 AD). Tabjil al Tanzil is one of the prominent Quranic Interpretation which focuses on the replies to objections raised against Islam and Quran by Christians in Sub continent. In this paper, author tried to find out this un-published interpretation (as it is supposed) and analyzed its first part containing on surah al fatiha (manuscript). In the result, he finds that polemic method is prevailed. And objections against Islam has been silently condemned.

Key Words: *Tabjil al Tanzil, Abu Mansoor Dehlvi, Quranic, Interpretation, Christian Literature, Polemic.*



تعارف:

بر صغیر کے مسلمانوں کے لیے ۱۸۵۷ء و ما بعد کا دور مذہبی و سیاسی حوالے سے بہت پُر آشوب اور کٹھن تھا۔ سیاسی فاتح انگریز کے ہم مذہب مسیحی منادین نے مفتوحہ ہندوستان میں اپنی تیشیری سرگرمیوں میں کافی تیزی پیدا کر لی۔ یہاں ہندو اکثریتی آبادی کو دعوت دیتے ہوئے ہندومت کی تنقیص و تردید پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا مسلم مخاطبین کو مسیحیت کی دعوت دیتے ہوئے اسلام کی تردید پر ارتکاز کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مسیحی مسلم مناظراتی ادب حجم و کمیت کے اعتبار سے مسیحی ہندو مناظراتی ادب سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم علماء نے مسیحی انتقادی کاوشوں کے سامنے کمزوری دکھانے کی بجائے دفاع اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ برطانوی دور میں بر صغیر کے علمی تراث کا معتد بہ حصہ، مسیحی مشنریز کی طرف سے تیشیری نقطہ نظر سے لکھا جانے والا لٹریچر اور اس کے رد عمل میں مسلم مذہبی ادب پر مبنی ہے۔ اس دور میں طرفین کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ پیش کیے جانے والے مناظرانہ اسلوب پر مبنی یہ ذخیرہ ادب آج کیا اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر سفیر اختر رقم طراز ہیں:

”آج انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول کا مناظرانہ دور ختم ہو چکا ہے اور ان تلخ بحثوں کو تازہ کرنے سے چنداں کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر مسلم مسیحی تعلقات کے متخصصین کو اس سے صرف نظر نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس دور کے مباحث سے پورے طور واقف ہوں۔ مسیحی اہل قلم میں اس کا احساس شدت سے موجود ہے۔“^۱

ایک چوتھائی صدی قبل کہے گئے ان الفاظ کی وقعت و اہمیت کم نہیں ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ عصر حاضر میں سوشل میڈیا نے ادیان و مذاہب کے درمیان جہاں مکالمے کا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے وہیں اس کے ذریعے مذاہب و ادیان کی دعوتی کاوشوں کو بھی مہمیز دی ہے۔ لیکن بات صرف اپنے مذہب کی دعوت تک ہی محدود نہیں بلکہ جدید مناظرانہ اسلوب میں دوسرے مذاہب پر نقد و جرح اور تردید کا وطیرہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور مخالفین و معاندین کی طرف سے آج بھی سوشل میڈیا کے ذریعے اسلام و قرآن پر اعتراضات کے ڈھیر لگا دیے جاتے ہیں۔ اور ان اعتراضات جن کا بنیادی ماخذ مذکورہ بالا اسلام مخالف مناظراتی ادب ہے جس کو طبع کاری کے ساتھ جدید اسلوب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے اثرات سوشل میڈیا کی عادی نوجوان نسل کے اذہان پر مرتسم ہو رہے ہیں اور وہ تشکیک کا شکار ہو جاتے ہیں۔

برطانوی ہند میں بدلی مشنریز نے مقامی مسیحی اہل قلم کے تراجم و تفاسیر قرآن کریم کی طباعت کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے ان مسیحی تراجم و تفاسیر کی اشاعت میں مسلمانوں کی بھلائی یا خدمت قرآن کا کوئی پہلو نہیں تھا بلکہ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کی تردید اور اس کی صداقت و تعلیمات پر یقین و عقیدہ کو مسلسل کمزور کرنا تھا۔^۲ آج بھی یہی کہانی

^۱ اراہی، سفیر اختر، ڈاکٹر، مسیحی اہل قلم کے اردو تراجم و تفاسیر، سدہ ماہی: عالم اسلام اور عیسائیت، ج: ۳، ش: ۱۲، (اسلام آباد: دسمبر ۱۹۹۳ء)، ص: ۸

^۲ ایضاً، ص: ۴

دہرائی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس منظر نامہ میں ایک داعی اور مذہب کے طالب علم کو دور مذکورہ کے مسلم علماء کی کاوشوں سے رجوع کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔

برطانوی ہند میں مسیحی مشنریز کا سامنا کرنے والے مسلم کاروان کے ایک گل چیدہ سید ابوالمنصور دہلوی (۱۹۰۲ء) ہیں، جنہوں نے مسیحی اعتراضات کے جواب میں تفسیر 'تجلیل التنزیل' لکھی۔ تجلیل التنزیل (فارسی) بر صغیر میں اولین اور اپنی نوع کی منفرد تفسیر قرآن ہے جس میں مغربی یا دیگر غیر مسلموں کی طرف سے عمومی اعتراضات و اشکالات کو زیر بحث لانے کی بجائے بر صغیر میں کام کرنے والے مسیحی منادین کی طرف سے قرآن اور اسلام پر واردہ اعتراضات کے جواب پر ارنکار کیا گیا ہے۔ مسیحی مباحث پر مبنی دیگر تفاسیر کی بہ نسبت اس میں بر صغیر کے مسیحی لٹریچر کو خصوصی طور پر مد نظر رکھا گیا ہے جس سے محققین اور طلبہ صرف نظر نہیں کر سکتے۔

امام المناظرین سے ملقب ابوالمنصور سید ناصر الدین نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۷ھ کو ناگ پور میں میرنٹی محمد علی کے گھر آنکھیں کھولیں۔^۱ ہندوستان میں مسیحی مشنریوں اور پادریوں سے تحریری و زبانی مناظرے اور مطالعہ مسیحیت پر بے مثال کتب احاطہ تحریر میں لاتے ہوئے، حیات مستعار کی اسی (۸۰) بہاریں دیکھنے کے بعد، ۱۹۰۲ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔^۲

آپ نے ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی میں کچھ سال اہل کتاب اور ان کی کتب کے درمیان اس طرح گزارے کہ بجز مدولت اہل کتاب کوئی دوسرا شغل نہ تھا۔ اس دوران آپ نے انجیل کی تعلیم مفسر انجیل پادری ایل اسکاٹ سے حاصل کی اور عبرانی زبان بھی سیکھی۔^۳ آپ کا مطالعہ مسیحیت میں گہرائی اور گیرائی کا اظہار مسیحی مبلغین سے مناظروں اور تحریروں سے بخوبی ہوتا ہے۔ نصرت المطالع کے نام سے دہلی میں ایک اشاعت خانہ قائم کیا جہاں سے آپ نے اخبار کے ساتھ ساتھ رد مسیحیت میں کثیر تعداد میں کتب بھی شائع کیں۔ آپ نے مطالعہ مسیحیت پر ۳۰ کے قریب کتب تحریر کیں جن میں سے درج ذیل کتب زیادہ شہرت کی حامل ہیں:

استیصال مسیح الدجال	نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۱ھ، صفحات: ۶۷	یہ ماسٹر رام چندر کے رسالہ 'مسیح الدجال' کا رد ہے۔
انعام الخضم	نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۳ھ، صفحات: ۱۲۸	یہ پادری راجرس کے 'تفتیش الاسلام' کے جواب میں ہے۔
انعام عام	مطبوعہ فاروقی، دہلی ۱۲۹۰ھ، صفحات: ۴۴	یہ پادری رجب علی کی 'آئینہ اسلام' کا جواب ہے۔
تصحیح التاویل	نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۱ھ، صفحات: ۶۷	یہ پادری عماد الدین کی 'تفسیر مکاشفات' کا جواب ہے۔
حرز جان	نصرت پریس دہلی ۱۸۷۶ء، صفحات: ۲۰	یہ عبداللہ آتھم کے رسالہ 'صلیبت قرآن' کا جواب ہے۔
رقیمۃ الوداد	نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۷ھ، صفحات: ۴۷	یہ پادری صفدر علی کے 'نیاز نامہ' کے جواب لکھی گئی۔

^۱ امداد صابری، دہلی کی یادگار ہستیاں (دہلی، ۱۹۷۲ء)، ص: ۱۵۷

^۲ الصدیقی، محمد تنزیل، السینی، اصحاب علم و فضل (کراچی: اصلاح المسلمین پبلشرز، ۲۰۰۵ء)، ص: ۲۴۴

^۳ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (لکھنؤ: نول کشور ۱۳۲۲ھ)، ص: ۲۳۲؛ امداد صابری، فرنگیوں کا جال، ص: ۲۶۱

عقوبت الضالین نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۳ھ، صفحات: ۱۷۲ یہ پادری عماد الدین کی 'ہدایت المسلمین' کا جواب ہے۔
 لحن داؤدی نصرت المطالع، دہلی ۱۲۸۹ھ، صفحات: ۳۲ یہ پادری عماد الدین کی 'نغمہ طنبوری' کا جواب ہے۔

مصباح الابرار نصرت المطالع، دہلی ۱۸۷۶ء، صفحات: ۶۴ یہ پادری فینڈر کے رسالہ 'مفتاح الاسرار' کا جواب ہے۔
 میزان المیزان نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۳ھ، صفحات: ۱۶۰ یہ پادری فینڈر کی 'میزان الحق' کے جواب میں لکھی گئی۔
 نوید جاوید نصرت المطالع، دہلی ۱۲۹۳ھ، صفحات: ۶۳۲ مطالعہ مسیحیت پر بے مثل کتاب

ڈاکٹر محمد سلیم کی تحقیق کے مطابق مولانا کی غیر مطبوعہ تحریروں کی تعداد نو (۹) ہے جس میں سب سے قابل ذکر فارسی تفسیر قرآن 'تجلیل التنزیل' ہے^۱۔ مقالہ ہذا میں اسی فارسی تفسیر سے سورۃ فاتحہ کا جائزہ اور اردو ترجمہ کیا جانا مقصود ہے۔
 چونکہ مولانا نے مسیحی پادریوں سے عبرانی زبان اور بائبل سبباً سبباً پڑھی تھی جس سے انہیں مطالعہ مسیحیت میں بہت درک حاصل تھا، یہ تفسیر اور ان کی دیگر کتب اس پر شاہد ہیں۔ ان کے معاصر اور مسیحی منادین کا جواب دینے والے سر سید احمد خاں کے برعکس یہ تفسیر مطالعہ مسیحیت کے ایجابی اثرات سے پاک ہے۔ مصنف نے سر سید پر ان کے بعض شاذ افکار کی بنا پر تنقید بھی کی ہے۔^۲

اس تفسیر میں زیادہ تر اہل اسلام اور اہل کتاب کے اعتقاد و ایمان ہر دو کا تعارف، تقابل اور معترضین کے اشکالات و اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مفسر کی انفرادیت یہ ہے کہ قرآنی مطالب کی تائید و تشریح سابقہ کتب سماوی سے کرتے ہیں تاکہ اہل کتاب پر حجت تو قائم ہو لیکن استدلالی و استنباطی حیثیت نہیں دیتے۔ شاید مفسر نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان 'لا تصدقوا ولا تکذبوا'^۳ کے تحت اہل کتاب کی روایات سے استفادہ محدود کر دیا ہے۔

مولانا نے یہ تفسیر لکھتے وقت جن امور کا لحاظ رکھنا ان کی وضاحت وہ خود ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”سہ امر را ملحوظ داشته ام، اول: اینکه تفسیر بر آیت از احادیث صحیحہ بلکہ اکثر از صحیحین برگزاشته ام، دوم: اینکه آیات کتب الہامیہ سابقہ را در تائید مطالب قرآن درج ساختہ ام تا اہالی مذاہب، دیگر را بیچ شکے و اعتراضے از تسلیش ہیچگونہ اعراضے

^۱ محمد سلیم، ڈاکٹر، بر صغیر کی فارسی تفاسیر (غیر مطبوع) مقالہ پی ایچ ڈی، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی) ص: ۶۰۸، ۶۰۹۔ رقم خصوصی طور پر پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم کا شکر گزار ہے جنہوں نے کتاب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام میں موجود تفسیر ہذا کے مخطوطہ کی نقل مہیا کی۔

^۲ مولانا کی ایک اور تفسیر ”متنقیح البیان“، سر سید کی تفسیر پر محاکمہ اور تنقید پر مبنی ہے۔ نیز جب ۸۸۸ء میں علماء لدھیانہ نے سر سید کی تکفیر میں فتویٰ ”نصرۃ الابرار“ جاری کیا تو اس پر مولانا ابوالنصور کے بھی دستخط تھے۔ لدھیانوی، مفتی محمد، نصرۃ الابرار (لاہور: مطبع صحافی، سن)، ص: ۳۶

^۳ بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، ج: ۵۳۲

واغماضے نباشد، سوم: اینکه در تفسیر ہر آیتہ مسائل ضروریہ متعلقہ اش را از حدیث مبرہن کردہ شدہ۔ و صحت حالات تواریحی و جغرافیہ مقامات و معانی صحیحہ اسماء و لغات و اصل ہر لغت و توافق محاورات تمامی کتابہائے خدا باوجود بتابین زبانہائی عربی و عبرانی و یونانی و باوصف بتا بعد مد تہائے دراز در اوقات نزول آن کتابہا و دیگر مضامین عدیدہ مشعر

معلومات جدیدہ و مطالب مفیدہ کہ بیچ چشمش مثلش ندیدہ از صفات مخصوصہ این تفسیر است“¹

”میں نے اس تفسیر میں تین چیزوں کا لحاظ رکھا ہے۔ اول یہ کہ ہر آیت کی تفسیر صحیح احادیث سے کی ہے بلکہ ان میں سے اکثر صحیحین (بخاری و مسلم) سے لی گئی ہیں۔ دوم یہ کہ گذشتہ الہامی کتابوں کی آیات کو مطالب قرآنی کی تائید میں درج کیا ہے تاکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے کو کوئی شک اور اعتراض اور اسے تسلیم کرنے سے کسی قسم کا اعتراض و اغماض نہ ہو۔ سوم یہ کہ ہر آیت کی تفسیر کے تحت رونما ہونے والے ضروری مسائل کو احادیث سے مدلل کیا ہے۔ مقامات کے جغرافیہ اور تاریخی حالات کی صحت اور نام اور زبان کا صحیح معنی اور ہر لغت کا مأخذ اور جملہ آسمانی کتابوں کے محاورات کا توافق عربی و عبرانی اور یونانی زبانوں کے اختلاف اور ان کتابوں کے زمانہ نزول میں طویل مدت کے فاصلے کے باوجود، اور دوسرے متعدد مضامین جو جدید معلومات پر نشان دہی کرتے ہیں اور ایسے مفید مطالب کہ کسی آنکھ نے ان کا مثل نہ دیکھا اس تفسیر کی مخصوص صفات میں سے ہیں“

ہر دور کے علمی رجحانات اور نظری رویے اس عہد کے فکری تقاضوں اور سماجی و سیاسی ضروریات کے مظہر ہوتے ہیں۔ ان رجحانات کا معاصر علمی سرمائے اور اس میں اختیار کیے گئے اسلوب تحریر و طرز استدلال پر اثر اندازی امر لازم ہے۔ ایک دور کا پسندیدہ انداز استدلال و اسلوب دوسرے میں فرسودہ اور متروک ہو سکتا ہے۔ اگرچہ عصر حاضر میں الزامی اسلوب محققین کے نزدیک مستحسن نہیں گردانا جاتا، لیکن تفسیر تجلیل التنزیل میں مصنف نے اپنے دور کے عمومی رجحان کے تحت زیادہ تر یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ مثلاً حروف مقطعات کی تفسیر میں لکھتے ہیں؛

”بہت سے اہل کتاب نے ان حروف پر اعتراض کیا ہے کہ جب کسی کو ان کے صحیح معنی معلوم نہیں ہیں تو ان حروف کو قرآن میں لکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکمت الہی کے راز سے واقف نہیں ہوں مگر اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ زبور میں چند آیات کے بعد اسی شکل میں ایک لفظ آتا ہے "سلاہ" یہ لفظ زبور میں ۳ مرتبہ اور تورات کے مجموعہ میں شامل حضرت حقوق کے صحیفہ میں تین مرتبہ پایا جاتا ہے، اس کا مراد اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ اس سنجیدہ بیان پر پوری طرح غور کرنے کے بعد بھی اس کا لغوی معنی اب تک اہل کتاب کے کسی عالم کو معلوم نہ ہو سکا۔ نیز ہجایون (۹ زبور ۱۶) اور شعیونوت (حقوق ۳ باب ۱) کے معنی ابھی تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکے یہ محض قرآن کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ دیگر الہامی کتب و کلام الہی میں بھی یہ اسلوب پایا جاتا ہے۔“²

¹ دہلوی، ابوالمنصور، تجلیل التنزیل (مخطوط)، ص: ۲، ۱

² تجلیل التنزیل، ص: ۷

تفسیر میں اہل کتاب کی تاریخ، اماکن بائبل و قرآن کے جغرافیہ پر سیر حاصل بحث ہے۔ نیز قرآنی الفاظ و اصطلاحات اور اعلام کی تحقیق اور ان کے عربی، عبرانی، فارسی، سنسکرت اور یونانی وغیرہ ماخذ کی نشان دہی کا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً لفظ آدم کے متعلق لکھتے ہیں:

”آدم عبرانی لفظ ہے جس کے معنی سرخ مٹی کے ہیں۔ چنانچہ ادم سرخ کو کہتے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔“¹

اسی طرح لفظ ’نصاری‘ کے متعلق لکھتے ہیں:

”اکثر انبیاء علیہ السلام کے نام قرآن مجید میں معرب ہیں۔ چنانچہ ابراہم کو ابراہیم، اسحاق کو اسحاق، عزرا کو عزیر، یوحنا کو یحییٰ، یسوع کو عیسیٰ، اور ساول کو طاووت کہا گیا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ کا وطن ناصرہ تھا جو ملک کنعان میں تھا اس

لحاظ سے عیسیٰ کو ناصری اور ان کی امت کو نصاریٰ اور نصرانی کہا گیا ہے۔“²

اس تفسیر کے بنیادی ماخذ احادیث اور توریت و انجیل ہیں۔ توریت و انجیل کے علاوہ ان کی تشریحات، لغات اور کتب تاریخ مسیحیت سے بھی بھرپور مدد لی گئی ہے۔ مسلم ماخذ میں سے قرآن کریم کی اس عہد میں متداول تفاسیر سے استشاد کیا گیا ہے۔ جن میں قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل فی اسرار التاویل، شیخ علی المہاسنی کی ’تبصیر الرحمان‘، امام رازی کی ’تفسیر کبیر‘، علامہ نسفی کی ’مدارک التنزیل‘، ملا واعظ کاشفی کی ’تفسیر حسینی‘، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ’فتح الرحمن‘، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ’تفسیر فتح العزیز‘، اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ قرآن کریم لائق ذکر ہے۔ کتب ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مسند الامام احمد، سنن البیہقی، سنن الدارمی، معجم الصغیر للطبرانی، مستدرک للحاکم، مسند دیلمی وغیرہ سے روایات نقل کی گئی ہیں، کتب فقہ میں در مختار، شرح وقایہ تحفۃ الاخیار وغیرہ کے حوالے ملتے ہیں۔ دیگر کتابوں میں تاریخ ابن عساکر، ابو نعیم اصفہانی کی ’حلیۃ الاولیاء‘، کیخسرو اسفندیاری کی ’دیستان مذاہب‘ اور سر سید احمد خان کی تفسیر القرآن کریم اور ’تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والا انجیل علی ملۃ الاسلام‘ اہم ہیں³۔

¹ ابو منصور دہلوی، تجلیل التنزیل، ص: ۲۰

² ایضاً، ص: ۵۰-۵۱

³ محمد تنزیل الصدیقی، اصحاب علم و فضل، ص: ۲۵۷، ۲۵۶

خطی شماره: ۶۸۲۰

تبجیل التزییل (فارسی، نثر)

۳۶۶ ص.

(از آغاز تا آخر سورہ تفرہ)

مفسر: محمد ابوالمنصور ابن جناب رحمۃ اللہ علیہ

(ظاہر بہ خط مؤلف (مفسر))

کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیق فارسی ایران و پاکستان

انف ۴۶

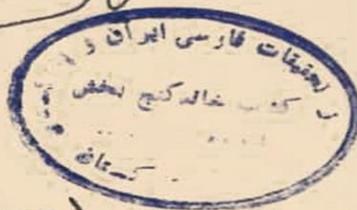
۱۴ - سعید روڈ (= سلطان آغا خان روڈ)

تلفن ۸۲۰۱۰۱۶

۸۲۰۴۴۵

اسلام آباد - ۴۴۰۰۰

پاکستان



میکرو فلم
۲۰۸

(۱۳۰۲.ت)

تفسیر سورۃ فاتحہ کا اردو ترجمہ:

(تمہیدی خطبہ کے بعد) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم شیطان مردود کے وسوس اور شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ جملہ آتش پرستوں کی کتاب 'وسائیر' میں بسم اللہ سے پہلے درج ہے۔ اس مضمون میں ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اُس (شیطان) کی بُری عادت سے جو گمراہ کرنے والا اور بُرے راستے پر لگانے والا ہے اور رنج و تکلیف اور آزار رساں ہے۔ بعض کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ مستحب جبکہ بعض کے نزدیک واجب ہے۔

'بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ تعالیٰ جو معبود برحق ہے کے نام سے' الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ 'نہایت مہربان ہر مخلوقات پر، جو اس عالم حیات میں ہیں۔ آیت 'لَّا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ' (بنی اسرائیل: ۱۷) کی روشنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہے کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں اور اسے قرآنی رسم الخط میں بغیر الف لام نہیں لکھنا چاہیے۔ اس پر اتفاق ہے کہ کاتب قرآن کے لیے مصحف عثمانی کی پیروی لازم ہے اور یہ اس کے دینی واجبات میں سے ہے۔ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے اور اجماع (صحابہ) کی مخالفت حرام ہے۔

'الرَّحِیْمِ' بخشے والا اور مہربان مومنوں پر حرف آخرت میں۔ ایک پادری (عماد الدین) 1 صاحب نے اپنی کتاب 'ہدایت المسلمین' 2 میں اعتراض کیا ہے کہ (صفت) رحیم، رحمن سے ادنیٰ ہے اور عرب فصحاء ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اس کا الٹ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کلام الہی کے محاورات سے واقف نہیں۔ انجیل میں آیا ہے کہ

'جو زمین کو اچھی طرح کاشت کرتے ہیں وہ اسی طرح ہیں کہ کلام کو سنیں، سمجھیں اور عمل کریں وہ اس سے بعض سو گنا، بعض ساٹھ گنا اور بعض تیس گنا اجر پاتے ہیں' 3۔

کیا یہ (گنتی) ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف سے یا اس کا الٹ۔ انجیل میں یہ بھی آیا ہے

”اور میں نے بہت سے فرشتوں کی تخت کے ارد گرد آواز سنی اور وہ حیوان اور بزرگ اور ان کی تعداد سیکنڈوں

ہزاروں ہزار (کروڑوں) اور ہزاروں ہزار (لاکھوں) تھی“ 4۔

1 پادری عماد الدین (۱۸۳۸ء۔ ۱۹۰۰ء) تھے جو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۳ میں پینتسمہ لیا اور پھر اسلام کے خلاف بہت سی کتب لکھیں۔

2 ہدایت المسلمین وکیل ہندوستان پریس، امرتسر ۱۸۶۸ء، اس میں رسول اللہ ﷺ کے بعض افعال و اقوال پر تنقید کی گئی ہے کہ وہ پیغمبروں کے لائق نہیں ہیں۔

3 متی ۳: ۲۳

4 دیکھیں مکاشفہ، باب: ۱۱

اور عرب فصحاء مدح کے مقام پر مبالغہ کے لیے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے تھے نہ کہ نفس الامر کے بیان میں۔ اللہ تعالیٰ، جیسا کہ ہے، کوئی اس کی شایان شان تعریف نہیں کر سکتا۔ خواہ اس کی تعریف میں جتنا مبالغہ کر لے۔ اسی وجہ سے اس عالم حیات میں اس کی رحمت اور اکرام کا تذکرہ زیادہ ضروری ہوا بہ نسبت اس رحمت کے تذکرہ کے، جو عالم آخرت میں ہو گا اور حال کو مستقبل پر ترجیح بہر حال واضح ہے اور دوسرا یہ کہ رحمن اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے بمقابلہ لفظ رحیم کے جو خالق و مخلوق ہر دو کے لیے مستعمل ہے۔ پس اللہ اسم ذات کے قریب تر وہی صفت زیادہ موزوں ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے تین نام استعمال ہوئے ہیں یعنی اللہ، رحمن اور رحیم۔ پس اللہ اسم ذات ہے اور رحمن بھی بمنزلہ اسم ذات ہے اور رحیم اسم صفت اور اسم صفت پر اسم ذات کا تقدم بدیہی بات ہے اور اس کے ترتیبی معنی بھی اس طرح ہیں۔ کہ ازل سے عبادت کے لائق اور ابد تک تمام مخلوقات کا روزی رساں، اور آخرت میں نیکو کاروں کو بخشنے والا وہی ہے۔ مزید (مصنف کی تصنیف) 'در عقوبات الضالین فی رد ہدایت المسلمین' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک اور بحث جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ضمن میں علماء کے درمیان ہے، یہ ہے کہ آیا یہ قرآن میں شامل ہے یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآنی آیت بھی ہے 'إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ' (نمل: ۳۰) اور سورۃ توبہ کے سوائے ہر سورت کے آغاز میں لکھتے ہیں۔ 'عن ابن عباس قال كان رسول الله [النبی ﷺ] لا يعرف فصل السورة حتى يتنزل [تنزل] عليه بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ¹ یعنی ابن عباس نے کہا کہ حضور ﷺ دو سورتوں میں فرق نہیں پہنچاتے تھے کہ تاں کہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نازل ہوئی۔ حاصل کلام یہ جملہ کلام الہی ہے۔ تاہم ہر سورت کی عبارت میں شامل نہیں یہ جملہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سابقہ الہامی کتابوں کے آغاز میں عام طور پر نظر نہیں آتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ سلف کے توحید پرستوں میں بھی آغاز کلام عام طور پر اس طرح تھا کہ بسم اللہ سے آغاز کرتے جس طرح حضرت نوحؑ نے کشتی کو چلاتے وقت فرمایا تھا 'وَقَالَ اذْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ حَجْرِيهَا وَمُرْسَاهَا اِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ' (ہود: ۱۱: ۳۱) اور حضرت سلیمانؑ نے جو خط ملکہ بلقیس جو بنی اسرائیل میں سے نہ تھی کو بھیجا تو اس پر 'إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ' تھا۔ لیکن اسرائیلیوں میں کثرت استعمال کی وجہ سے مصاحف میں اس کی تحریر کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی کیونکہ بغیر تحریر بھی ہر قاری ابتداء میں بسم اللہ کی قرات کرتا تھا۔ اہل کتاب کے شہرت طلب علماء اور کج بحث اور پر شور و شغب معتقدین نے اپنے آپ کو اس مغالطہ میں ڈال لیا کہ چونکہ بسم اللہ کتاب کے سرورق پر نہیں لہذا یہ کلام الہی نہیں ہو گا۔ اس وجہ سے مشیت ایزدی متقاضی ہوئی کہ قرآن پاک کی ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ تحریر ہو۔ نزول قرآن کے بعد جب اہل کتاب نے بسم اللہ کو آغاز قرآن میں دیکھا تو خود بھی آغاز انجیل میں لکھ دیا بعض نے ایک دو لفظوں (حرفوں) کی تبدیلی پر

¹ بوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، ج: ۷، ۷۷۹

بھی (لکھا)۔ چنانچہ تبیین الکلام نیچری اجو توریٹ کے چند باب کی تفسیر ہے اس کے مصنف² نے 'مقدمہ التاسعہ' میں خبر دی ہے کہ قلمی انجیل کے عربی ترجمہ میں جو قدیم تر ہے، کے آغاز پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے۔³ نیز نصرت المطالع میں قلمی انجیل کا قدیم عربی نسخہ موجود ہے اس میں بھی ہر انجیل پر سرورق بسم اللہ لکھا ہے اور ایک عربی نسخہ 'فقہ مذہب نصاریٰ' جو چند کتب کا مجموعہ اور اب سے چند سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے اور نصرت المطالع میں موجود ہے اس کے سرورق پر بھی بسم اللہ لکھا ہے۔ علاوہ ازیں اہل کتاب کے علماء کی حالیہ تصنیفات جو طبع ہوئیں اور ہندوستان میں شائع ہوئی ہیں۔ میں نے ان کتابوں میں سے چند ایک کو دیکھا کہ آغاز میں بسم اللہ لکھا ہے۔ بعض کا ہند کرہ کرتا ہوں مکتب تفتیش الاسلام⁴ اور کتاب باسم 'نجات بفضل الہی'۔⁵ ان میں صاف واضح ہے کہ قرآن مجید میں بسم اللہ دیکھ کر ان عیسائیوں نے بھی اپنے انتہائی قدیم بزرگوں کے طریقہ تلاوت کو دہرایا ہے اور ہر انجیل کے سرورق پر بسم اللہ لکھا ہے۔ اور جو اہل کتاب اس کے عادی نہیں ہوئے وہ انتہائی تعصب کی وجہ سے مسلمانوں سے مشابہت پسند نہیں کرتے اور بعضوں نے انہی قیاسات کی وجہ سے بسم اللہ کو کلام الہی نہ سمجھنے پر اکتفاء کر لیا ہے۔

اسی طرح دیگر کاموں میں بھی قدیم غلطیوں کی پابندی کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سن ولادت عملاً ۱۸۸۵) ۱۲۶ سال قبل) لکھتے ہیں حالانکہ مروجہ سن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے چار سال قبل رائج ہو چکا تھا⁶۔ اور سبت

1 تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والا انجیل علی ملۃ الاسلام از سر سید احمد خاں (غازی پور ۱۸۶۲ء) حصے ۳۔ یہ بائبل کے منتخب حصوں کی واحد مسلم تفسیر ہے۔

2 سید احمد بن متقی خان المعروف سر سید ۱۱ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ برطانوی ہند کے محکم مسلمانوں کی راہنمائی کی۔ سیاسی اور مذہبی نظریات کی بنا پر علماء کی مخالفت مول لی۔ یونیورسٹی آف ایڈنبرا نے قانون میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ۱۸۶۷ء مارچ ۱۸۹۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

3 سر سید احمد خاں، تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والا انجیل علی ملۃ الاسلام (لاہور: مکتبہ اخوت، ۲۰۰۶ء)، ص: ۲۰۲

4 جرس، جان، پادری، تفتیش اسلام (لدھیانہ: ۱۸۷۵ء، باہتمام پادری (ولیم) میور)

5 مجہول الاسم، اسم نجات بفضل الہی (لدھیانہ: لدھیانہ مشن پریس، ۱۸۷۶ء)

6 عموماً عیسیٰ علیہ السلام کا سن پیدائش ۱ء میں پیدا ہوئے۔ حقیقتاً آپ اس سے چار یا پانچ سال پہلے یعنی ۵/۴ ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ پادری ڈایونی سیس اکی گوس (Monk Dionysius Exiguus) نے ۵۲۶ء میں حساب لگا کر سنہ عیسوی کا اعلان کیا۔ جس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سن عیسوی تحریر کرتے ہوئے انگریزی حروف A.D. لکھا جاتا ہے جو Anno Domini کا مخفف ہیں۔ اس سے مراد ہے "ہمارے خداوند کا سال"۔ لیکن اس سے حساب میں چار/پانچ سال کی غلطی رہ گئی۔

Paul L. Maier, The Date of the Nativity and Chronology of Jesus And Virgin Mary, 1989 p.113-129

بروزیکٹ شنبہ معمول رکھتے ہیں۔ حالانکہ حواریوں کے عہد تک اور اس کے بعد بھی شنبہ یوم السبت تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عید ولادت موسم سرما کے وسط میں جب کہ سورج بُرج جدی میں ہوتا ہے ترتیب دیتے ہیں۔ حالانکہ کی متفقہ تحقیق کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسم گرما میں پیدا ہوئے۔¹ اعلیٰ ہذا القیاس بسم اللہ کے ضمن میں ان علماء نے زمانہ قدیم میں مغالطہ دیا ہے اور اب تک اسی مغالطے کی پیروی کر رہے ہیں اور یہودی چونکہ ذبح کے وقت یعنی بسم اللہ (اللہ بڑا ہے) کہنا فرض سمجھتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اب تک بسم اللہ کہنے کی عظمت سے غافل نہیں رہے ہیں اور آتش پرستوں کی دینی کتب یعنی 'دساتیر' میں بھی بسم اللہ لکھا ہے۔ ان الفاظ میں مبنام ایزد بخشانیندہ بخشانیش گرمہربان داوگد گوئیند 'اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا بخشنے والا مہربان اور کارگر ہے، کہتے ہیں۔ جب آتش پرستوں نے عساکر اسلام کو اپنے شہروں اور علاقوں پر قابض پایا تو وقت کی مصلحت کے پیش نظر اور اپنی دینی تعلیمات کے موجب ان کے کئی فرقے نام، لباس، طریق کار حتیٰ ہر بات میں مکمل طور پر مسلمانوں سے مشابہہ ہو گئے۔ (ان کے اس فعل پر) دساتیر کا نام چہارم شاہد ہے کہ خطرے کی حالت میں اپنا مذہب چھپانا ضروری ہے۔ 'دستان مذاہب'² میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ واللہ اعلم

” وقال رسول الله أول ما ألقى على من الوحي بسم الله الرحمن الرحيم “³

'الْحَمْدُ لِلَّهِ' سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو حقیقی معبود ہے بعض محققین نے لکھا ہے کہ حمد و تعریف کرنا کسی کی خوبی پر زبان سے کسی کی تعظیم کے لئے۔ جیسا کہ کہا جائے زید خوش نویس ہے (یعنی خوش نویسی زید کی کسی خوبی ہے) اصطلاح میں جو فعل منعم کی تعظیم کی گاہی دے خواہ زبان سے خواہ دل سے خواہ ہاتھ سے۔ اور مدح یہ ہے کہ شازبان سے ہو کسی اس خوبی پر جو اس کے اختیار میں نہ ہو مثلاً کہا جائے کہ زید انتہائی حسین ہے (اس میں حسین ہونا زید کی کسی صفت نہیں ہے) اور جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذاتی ہیں کسی دوسرے سے لی گئی نہیں لہذا سزاوار اور حمد صرف وہی ہے۔ انجیل میں آیا ہے 'تیرے پاس اپنا کیا ہے جو تو نے کسی اور سے نہیں لیا اور جب تو نے سب کچھ اوروں سے لیا ہے تو پھر تجھے فخر کس چیز کا ہے؟'⁴ پس جو کوئی ہر قسم کے کام میں دوسروں کا محتاج ہے اگرچہ روئے زمین کا شہنشاہ ہے وہ حمد (تعریف) کے لائق نہیں ہے۔

¹ لوقا، ۲: ۸

² کیخسرو، اسفندیار، دستان مذاہب، فارسی زبان میں ۱۶۵۵ء میں لکھی گئی اور اس میں ایران اور برصغیر کے تمام مذاہب اور مذہب ہی فرق کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز جلال الدین اکبر کے دین الہی کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسے پہلی بار ۱۸۰۹ء میں نزار اشرف نے کلکتہ سے کی۔

³ الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ)، ج: ۳، ۳۴۸۰

⁴ کرنتھیوں، ۴: ۷

مسلمان اسم ذات 'اللہ ہی کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور عبرانی لفظ 'یہودا' کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کوہ حوریب کے قریب وادی مقدس میں مخاطب کیا تو اپنے نام کا تعارف یہودا¹ لفظ سے کروایا جس کے نام ہے اور ہمیشہ رہے اور اس کے مختصر معنی یہ ہیں جو خود بخود موجود ہو اور یہودی علماء اس نام پاک کا اس قدر ادب کرتے ہیں کہ بغیر طہارت زبان سے نہیں نکالتے اور اس کی جگہ دانائی یعنی خداوند کہتے ہیں اور لفظ اللہ کو عبرانی میں الوہ اور تعظیماً الوہیم ہے اللہ تعالیٰ کا اسم ذات نہیں جاننے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس بارے میں تفصیلی بحث کی جاوے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کا آغاز لفظ الوہیم سے فرمایا نہ کہ لفظ یہودا سے۔ کیونکہ ہماری صفت الوہیم میں ہے اور رحمت کے آثار اس سے مترشح ہیں میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے² اور جلالی صفت یہوداہ میں ہے اور یہ عدالت کی متقاضی ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفت یہوداہ سے اس جہان کو پیدا فرماتا تو یہ جہاں یاد دنیا آباد نہ رہتی۔ لہذا رب العالمین نے اس جہان کو اپنے الوہیم سے پیدا فرمایا کہ عالم و عالمیاں کی سلامتی اس کی بے پایاں رحمت سے ہے۔ دیگر یہ کہ قرآن پاک میں پہلا نام جو اسمائے گرامی (یعنی اسمائے حسنیٰ) سے مذکور ہے وہ اللہ جل جلالہ ہی ہے۔ تیسری بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمام انبیائے کرام حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام تا حضرت یعقوب علیہ السلام سبھی اللہ تعالیٰ کو اللہ کے اسم ذات ہی سے یاد کرتے تھے نہ کہ لفظ یہوداہ سے۔ اور عبرانی لوگ بھی اس لفظ یہوداہ کو اسی وقت سے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وادی مقدس میں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کیونکہ فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے اسی صفت کا تقاضا تھا۔ قرآن مجید میں یہی ماجرا ان الفاظ میں وارد ہوا ہے: **فَلَمَّا آتَاهَا نُودَىٰ مِنْ شَاطِئِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ** (القصص ۲۸ : ۳۰) یعنی لفظ اللہ بجائے لفظ یہودا استعمال ہوا۔ پس فرعونوں کے ساتھ صفت جلالی ظاہر ہوئی اور توحید پرستوں کے ساتھ صفت جمالی جلوہ فرما ہوئی۔ چوتھی چیز جو سورۃ انعام میں ارشاد ہوئی ہے کہ اگر تم کہو کہ ہر دو فریق پر کتاب نازل ہوئی اور ہم اسے نہیں پڑھ سکتے³ تو قرآن پاک تمہاری زبان میں نازل ہوا یعنی کتاب کے مطابق۔ ہر دو فریق نے اس سے جان لیا کہ لفظ اللہ یہودا کا ترجمہ ہے اور اسم ذات کی پہچان نہیں۔

'رَبُّ الْعَالَمِينَ' کے لفظی معنی جن و انس و ملائکہ کے عالموں کا پالنے والا ہے۔ عبرانی زبان میں 'رَبِّ' بمعنی اوستادہ اور اس منصب کے تین درجے ہیں ربی و ربان و ربون جیسے مسلمانوں میں مولوی مولانا و ملا ہیں اور عام طور پر لفظ رب خداوند کے معنی میں رائج تھا جیسا کہ انجیل میں ہے کہ یہودی علماء مجالس میں بلند تر بیٹھتے ہیں اور مجموعوں میں بالانشیء کو پسند کرتے ہیں

1 خروج، ۳ : ۱۴

2 مراد یہ حدیث ہے: **إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي**؛ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، ج: ۳، ۱۹۴

3 الانعام : ۱۵۶-۱۵۷ : **أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ**

اور بازاروں میں بھی سلام پسند کرتے ہیں اور یہ کہ لوگ ان کو ربی ربی کہتے ہیں لیکن تم اپنے آپ کو ربی نہ کہلو! اور اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: 'قال رسول الله ﷺ لا يقل أحدكم أطمع ربك و ضى ربك اسق ربك ولا يقل أحدكم ربى وليقل سبدي و مولاي'² یعنی حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام سے نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلاؤ! اپنے رب کو وضو کراؤ! یا اپنے رب کو پانی پلاؤ! اور کوئی اپنے غلام سے نہ کہے کہ فلاں میرا رب ہے بلکہ یوں کہے کہ میرا سردار اور میرا آقا ہے۔

'الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ' بخشے والا مہربان قدیم انبیاء کے صحائف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'اے یعقوب کے خانوادہ و دیگر اسرائیلی خاندان والو! ماں کے رحم سے لے کر ہی تم میرے ذمہ ہو جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تب ہی سے میں نے تمہیں اپنی نگرانی میں لے لیا ہے۔ مجھ سے سن لو کہ تمہارے بڑھاپے تک میں ہی ہوں اور تمہارے بال سفید ہونے تک تمہیں اپنی حفاظت میں رکھوں گا'³ اور توریت میں ہے کہ تمہارا خدایا رحیم ہے (استثنا ۴ باب ۳۱) اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: قال رسول الله ﷺ لو يعلم الكافر بكل الذي عند الله من الرحمة لم يياس من الجنة⁴ یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کامل ادراک رکھتے تو جنت سے ناامید نہ ہوں۔

'مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ' اللہ تعالیٰ جزا کے دن جو شاہ و گدا میں انصاف کا دن ہے جزا و سزا کا حکم دیں گے 'إِيَّاكَ نَعْبُدُ' ہم تیری عبادت کرتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں 'وَأِيَّاكَ نَسْتَعِينُ' اور اپنی تمام دینی و دنیاوی ضروریات میں صرف تجھی سے امداد چاہتے ہیں 'إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ' ہمیں سیدھا راستہ دکھا 'صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' ان لوگوں کا راستہ جنہیں تو نے اپنی مہربانی سے نیکی اور سچائی کی توفیق دی۔ 'غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ' سوائے ان کے جن پر تو ناراض ہوا سبب ان کے انکار اور بعض انبیاء کی نافرمانی کے اور وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے 'وَلَا الضَّالِّينَ' اور سوائے گمراہوں کے کہ ضلوا عن سواء السبيل کے مصداق ٹھہرے۔ اور ان لوگوں کے بارے کہا گیا ہے: 'وعن أبي هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول قال الله تعالى [عز وجل] قسمت الصلوة بيني وبين عبدي نصفين [ولعبدى ما سألت] فاذا قال العبد الحمد لله رب

1 متی، ۲۳: ۸۰۷

2 بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، ج: ۲، ۲۵۵۲

3 یسعیاہ، ۴۶: ۳

4 الجامع الصحیح لمسلم میں ہے: "ان رسول الله ﷺ قال: 'لو يعلم المؤمن ما عند الله من العقوبة ما طمع بجنته احد، و لو يعلم الكافر ما عند الله من الرحمة ما قط من جنه احد' : نیشاپوری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، ج: ۲، ۶۹۷۹؛ صحیح السنن للترمذی (للالبانی)، ج: ۲، ۲۸۰۷ (صحیح ۳۷۹۱)؛ امام، احمد بن حنبل، المسند (القاهرة: مؤسسة الرسالة، س ن)، ج: ۲، ۸۳۹۶

العالمین قال الله [عزوجل] حمدنی عبدی و اذا قال الرحمن الرحيم قال [الله عزوجل] اثنی علی عبدی و اذا قال ملک يوم الدين قال مجدنی عبدی [وقال مرة فوض الی عبدی] و اذا قال ایک نعبد و ایاک نستعین قال هذا بینی و بین عبدی ولعبدی ما سأل و اذا قال اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال هذا لعبدی ولعبدی ما سأل،¹ (صحیح) مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز (یعنی سورہ فاتحہ) میرے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے، اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے وہ اس کو دیا جائے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کہتا ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی ہے، اور جب وہ کہتا ہے ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف و ثناء بیان کی ہے، اور جب بندہ کہتا ہے ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے، اور جب بندہ کہتا ہے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک پہلو حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ہے اور دوسرا پہلو بندے کی دعا و درخواست کا، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ میرے بندے کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی، پھر جب بندہ کہتا ہے ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور اس کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی۔

اور دیکھئے تفسیر 'وَلَقَدْ اَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمُنَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ' (الحجر ۱۵ : ۸۷) اور صحیح بخاری میں ابو سعید بن معلی روایت ہے: 'قال رسول الله لأعلمنك سورة هي أعظم السورة في القرآن'² یعنی سورۃ فاتحہ واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اپنے بندوں کی تعلیم و تربیت اور آداب دعا کے لیے نازل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حمد و ثناء کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ حمد و ثناء کا مقصد ہماری دعاؤں اور التجاؤں کی قبولیت کا بہانہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: 'الدعا مخ العبادة'۔³ جیسا کہ انجیل میں حواریوں کو بھی خصوصی دعاؤں کی تلقین کی گئی ہے۔⁴

1 مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، ج: ۳۹۵

2 بخاری، الجامع الصحیح، ج: ۳۲۷

3 ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن (ریاض: دار السلام، ۲۰۰۱ء) ج: ۳۳۷۱

4 دیکھئے: متی، ج: ۶، ص: ۱۳

’چونکہ اہل کتاب ہمیشہ دعا کو آمین پر ختم کرتے ہیں‘^۱ جو بھی کوئی اس ساری شریعت پر عمل نہ کرے اس پر لعنت ہو اور سب جماعت آمین کہے، ملک، قدرت اور جلال سب تیری شان ہے آمین^۲۔ اور ہر انجیل اور زبور کے ہر صحیفے کے اختتام پر ہے کہ ’خداوند جو خدائے بنی اسرائیل ازل سے ابد تک مبارک ہے۔ آمین ثم آمین‘^۳۔ اس صورت میں یہ لفظ ’آمین‘ عبرانی الاصل نہیں ہے اور حضور پاک ﷺ نے فرمایا: ’اذا قال (امام غیر المغضوب علیہم) ولا الضالین فقولوا آمین‘ یعنی جب [امام غیر المغضوب علیہم] ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو^۴ اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ’قال رسول الله ﷺ اذا آمن الامام فآمنوا‘^۵ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا جب امام نماز میں آمین کہے تو تم بھی اس کے ساتھ آمین کہو۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے: ’قال رسول الله ﷺ اذا قال أحدكم آمین وقالت الملائكة فی السماء آمین فوافق أحدہما والأخری غفر له ما تقدم من ذنبه‘^۶ یعنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے تو فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں پس جس کی آمین فرشتوں سے موافقت کر جائے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور آمین کے معنی ہیں افعِل (یعنی تو کر) رواہ ثعلبی از کوز الحقائق^۷۔



This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

1 گنتی، ۲۷: ۲۶

2 متی، ۶: ۱۲

3 مزامیر، (۳۱۱، زبور ۱۳) اور دیکھئے آخر زبور: ۸۹ و ۷۲

4 مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، ج: ۲، ص: ۴۰۹

5 بخاری، الجامع الصحیح، ج: ۸، ص: ۷۸؛ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، ج: ۱، ص: ۴۱۰

6 مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، ج: ۱، ص: ۴۰۱

7 عن ابن عباس قال: سألت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن معنى (آمين) فقال: 'افعل'؛ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف سے کوز الحقائق کے حوالے سے سہو ہو گیا ہے کیوں کہ صاحب کوز الحقائق زین الدین عبدالرؤف المناویؒ (۹۵۲ھ) نے اس روایت کو کوز الحقائق کی بجائے الفحاشی (۱: ۱۰۶) پر نقل کیا ہے۔ اس روایت کو السمرقندیؒ نے ’بحر العلوم‘ (۱: ۸۳)، امام قرطبیؒ نے ’الجامع لأحكام القرآن‘ (۱: ۱۱۱)، ابن کثیرؒ نے ’تفسیر القرآن العظیم‘ (۱: ۲۳۲)، ابن حجرؒ نے ’الکاف الشاف‘ (۱: ۲۷)، اور امام سیوطیؒ نے ’الدر المنثور‘ (۱: ۴۵) پر بھی نقل کیا ہے۔